اوراقِ پارینہ:

مولانا محمد علی مرحوم کا ایک غیر مطبوعہ تاریخی خط

"سیرۃ محمد علی" کی تصنیف کے زمانہ میں جب میں جامعۂ ملیہ دہلی کا طالب علم تھا، بیگم محمد علی مرحومہ نے کچھ کاغذات مجھے مرحمت فرمائے تھے۔ ان میں ذیل کا خط بھی تھا۔

اس خط پر تاریخ درج نہیں ہے۔ لیکن یہ غالباً فروری ۱۹۲۵ء میں لکھا گیا تھا۔ کیونکہ اس میں جس کانفرنس کا ذکر ہے وہ مارچ ۱۹۲۵ء میں بہ مقام امرتسر منعقد ہوئی تھی۔

یہ خط سید غلام بھیک صاحب نیرنگ وکیل انبالہ کے نام ہے۔ نیرنگ صاحب بڑے مخلص اور پرجوش مسلمان تھے۔ مولانا محمد علی کے رفیق کار، تحریک خلافت اور آزادیٔ ہند کے سپاہی۔ لیکن ہندوؤں کی تنگ دلی کے باعث وہ بددل ہو گئے۔ پھر جب مالوی، لاجپت رائے اور شردھانند نے شدھی اور سنگٹھن کی تحریکیں شروع کیں تو ڈاکٹر سیف الدین کچلو نے ——— جو اب دہلی میں مقیم ہیں ——— سنگٹھن کا جواب تحریک "تنظیم" سے دیا۔ اور میر نیرنگ نے شدھی کے جواب میں "جمعیۃ تبلیغ الاسلام" قائم کی۔

مولانا محمد علی ان دونوں جماعتوں ——— تنظیم و تبلیغ ——— سے الگ تھے۔ انہیں امید تھی کہ ہندو عقل سے کام لیں گے اور انگریزوں کے خلاف مشترک اور متحدہ محاذ بنائیں گے۔ وہ بددل ضرور ہو گئے تھے لیکن ہندوؤں سے اب تک مایوس نہیں ہوئے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اب تک وہ ترک موالات کے پروگرام پر عامل تھے۔ یعنی انگریزوں کی عدالتوں، تعلیم گاہوں، اسمبلیوں، کونسلوں اور تمام اداروں سے یکسر قطع تعلق، اس کے برعکس میر نیرنگ اور ڈاکٹر کچلو نے وکیل اور بیرسٹر کی حیثیت سے انبالہ اور پنجاب ہائی کورٹ (لاہور) میں ترک موالات ترک کر کے پریکٹس شروع کر دی تھی۔ مولانا محمد علی کی اس روش نے انہیں مسلمانوں میں کافی بدنام کر دیا تھا۔ لیکن جب تک وہ بالکل مایوس نہیں ہو گئے، ہندوؤں سے اور گاندھی جی سے پورا پورا تعاون کرتے رہے جو ان کے خلوص اور صداقت کا بہترین ثبوت ہے۔

(رئیس احمد جعفری)

دفتر روزنامہ ہمدرد

کوچۂ چیلاں، دہلی

مکرمی نیرنگ صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

پرسوں کنور عبدالوہاب خاں صاحب تشریف لائے تھے۔ اور ان سے اس دعوت کا حال معلوم ہوا تھا جو چند حضرات ایک مسلم کانفرنس کو امرتسر میں دینا چاہتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا تھا کہ تمہارے نام بھی دعوتی خط آئے گا تاکہ داعیوں میں شریک ہو۔ جو کچھ میں نے ان کی خدمت میں عرض کیا تھا، وہی آپ کی خدمت میں بھی عرض کرتا ہوں۔ میں مسلمانوں کی مختلف عناصر کی کانفرنس کو ہندو مسلمانوں کی اتحادی کانفرنس سے بھی زیادہ ضروری سمجھتا تھا۔ اور خود مسلمانوں کی ایک یونٹی کانفرنس کو مختلف اقوام کی یونٹی کانفرنس سے پہلے منعقد ہونا چاہیئے تھا۔ اگر مہاتما جی نے ایک نہایت خطرناک برت نہ رکھ لیا ہوتا تو گذشتہ ستمبر کی یونٹی کانفرنس کا انعقاد بعد میں ہوا ہوتا اور مسلمانوں کی یونٹی کانفرنس کا انعقاد پہلے۔ اس کے بعد بھی جب کنور عبدالوہاب خاں صاحب نے اس کی طرف مجھے متوجہ کیا تو میں نے ان کی رائے سے اتفاق کیا۔ اور حکیم صاحب اور بھائی سے اس کا ذکر کیا۔ چنانچہ سب نے اتفاق کیا مگر کانگرس کے اجلاس سے پیشتر کوئی اجتماع ہونا مشکل نظر آیا۔ کانگرس سے واپسی پر بھائی نے اس کی تحریک مسلم لیگ کے جلسے میں کی اور بڑی مشکلوں سے کثرت رائے حاصل کر کے اپنی تحریک کو منظور کرایا۔ تاہم جیسا کہ تمام ان مستبد جماعتوں کا قاعدہ ہے اگر کوئی چیز ان خداوندوں کی مرضی کے خلاف کثرت رائے سے منظور بھی ہو گئی تو لوگ عمل میں تساہل کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ چیز کھٹائی میں پڑ جاتی ہے اور تعمیل کا نام بھی نہیں آتا۔ مسلم لیگ نے آل پارٹیز کے اجتماع کے لیے تو ایک جلسہ چند اور لوگوں کا ۲۲ جنوری کو طلب کیا۔ مگر باوجود میرے کئی روپے کے تار کے شوکت صاحب کی اس تحریک کے مطابق مسلمانوں کے تمام فریقوں کا آج تک اجتماع نہ ہو سکا۔ آپ کو یاد ہوگا کہ گذشتہ جون میں خلافت کمیٹی کا جلسہ دہلی میں ہوا تھا۔ اس موقعہ پر بھی مسلمانوں کے تمام فریقوں کو دعوت عام دی گئی تھی کہ قومی تنظیم کے مسئلہ پر غور کرنے کے لیے دہلی میں مجتمع ہوں۔ اس کے جواب میں بھی مسلم لیگ کے لوگ شریک نہ

ہوئے۔ اس لیے شوکت صاحب نے خیال کیا کہ بہتر ہوگا اگر بجائے خلافت کے یہ دعوت خود لیگ کی طرف سے دی جائے۔ لیکن نتیجہ وہی ہوا کہ کوئی اجتماع آج تک نہ ہو سکا۔ مسلم لیگ کی کونسل اور مسلمانوں کا جو اجتماع جنوری گذشتہ میں یہاں ہوا تھا وہ صرف اسی غرض سے تھا کہ ہندوؤں کے مقابلہ میں مسلم لیگ کے خداوند ہماری تائید حاصل کریں اور چونکہ ہم ان کے تمام خیالات سے متفق نہ تھے اس لیے یہ تو نہ ہوا لیکن پھر بھی ہمیں کو جھکنا پڑا، اور مروت کے خیال سے ہم نے کہہ دیا کہ بہت اچھا، آپ اپنے مطالبات کو مسلمانوں کی طرف سے پیش کریں ہم آپ کو پورا موقعہ دیں گے کہ آپ ہندوؤں کو ان کے پورا کرنے پر راضی کرلیں تاکہ کل کو یہ نہ ہو کہ آپ شکایت کریں کہ ہندو تو ہمارے مطالبات پورا کرنے پر راضی تھے مگر تمہاری مخالفت نے ان کو روک دیا۔ جناح صاحب اور ان کے ساتھیوں کو پورا موقعہ دیا گیا کہ وہ اپنے مطالبات پیش کر کے ہنود کو راضی کرلیں۔ لیکن اس میں انہیں مطلق کامیابی نہ ہوئی اور اجتماع کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ اس کے بعد نہ لیگ کے سیکریٹری صاحب نے، نہ صدر صاحب نے اس ریزولیوشن پر توجہ کی جسے شوکت صاحب نے لیگ میں پیش کر کے منظور کرایا تھا اور مسلمانوں کی آل پارٹیز کانفرنس آج تک جمع نہ ہو سکی۔ الحمدللہ کہ آپ نے اس طرف توجہ فرمائی ہے مگر میں نہیں دیکھتا کہ داعیوں میں مختلف الخیال اور متفرق عناصر شامل ہیں۔ میں نے چھوٹتے ہی کنور صاحب سے پرسوں کہہ دیا تھا کہ اگر اس کانفرنس کا مقصود یہ ہے کہ مختلف الخیال لوگ ایک جگہ جمع ہوں اور فیصلہ کریں کہ مسلمانوں کا کاروبار کس طرح چلے اور کیا عنصر کس کس طریقہ پر کس کس کام کو کرنے کے لیے تیار ہیں۔ اور اس پر اصرار کرنا مقصود نہیں ہے کہ ہم ترکِ موالات چھوڑ کر موالاتیوں کے طریقوں پر چلنے لگیں۔ تو میں کانفرنس میں بھی شریک ہو سکتا ہوں اور اس کے داعیوں میں بھی۔ لیکن اگر مقصود وہی ہے جو بعض ہمارے پنجابی اور دیگر بھائیوں کا گذشتہ اجلاس خلافت کمیٹی منعقدہ ۴ مارچ بمقام دہلی میں تھا یعنی ترک موالات کو ہم سے ترک کرانا تو میں اس دعوت الی الشر میں شریک نہیں ہو سکتا اور نہ اس کے داعیوں میں۔ ترک موالات کی مشکلوں سے میں ناواقف نہیں۔ لیکن دین اور اسلام کی راہ میں ان سے کہیں زیادہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور ہم کو بھی کرنا پڑے گا۔ جو صاحب ۱۹۲۰ء، ۱۹۲۱ء میں ہمارے ساتھ نہ تھے وہ آج بھی ہمارے ساتھ نہ ہوں تو کچھ تعجب کی بات نہیں۔ لیکن جو صاحب اس وقت تارکِ موالات تھے وہ آج مشکلات سے گھبرا کر موالات کی طرف بڑھیں تو یہ ان کو مبارک ہو مگر میں تو اس طرف قدم نہیں اٹھا سکتا۔ تبلیغ میرا دین و ایمان ہے۔ خلافت تنظیم مسلماناں کا نام ہے۔ اور قیام دین کے لیے اس تنظیم کی ضرورت ہے۔ اسلام گوشہ نشینوں اور

تسبیح بھانجنے والوں کا مذہب نہیں ہے۔ سیاست بھی تنظیم مسلمانان کا ایک لازمی جزء ہے اور ہم کو اسلامی سیاست کو ہر وقت پیش نظر رکھنا ہے جس میں غیر مسلموں کے ہر گروہ کے ساتھ ہمارا سیاسی تعلق صاف اور غیر مشتبہ نظر آسکے۔ موجودہ "کمزوری بلکہ بے حسی اور ناکارگی" جس کا آپ نے ذکر فرمایا ہے اور جسے آپ دور کرنا چاہتے ہیں محض "بدنظمی" کے باعث نہیں ہے۔ بلکہ اس باعث ہے کہ ایک جماعت جس میں انگریزی پڑھے لکھے مسلمان اور علما بھی زیادہ تعداد میں شامل ہیں ایسے "نظم" کو قائم کرانا چاہتے ہیں کہ جس میں ان کے نزدیک وہ مصیبتیں سہنا نہیں پڑیں گی جو ترک موالات کی حالت میں ہم کو سہنا پڑتی ہیں۔ "متفرق اور متضاد عناصر کا تصادم" دور کرنا بہت اچھا ہے مگر یہ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ جو لوگ تارک موالات نہیں ہیں وہ بھی تارک موالات ہو جائیں۔ پھر تو نہ کوئی تفرقہ و تضاد باقی رہے گا اور نہ کوئی تصادم ہوگا۔ یا کم از کم اس طرح ہو سکتا ہے کہ جو حضرات تارک موالات نہیں ہیں وہ صاف کہہ دیں کہ بھائی ہم ان تکالیف کے لیے تیار نہیں ہیں جو ترک موالات میں برداشت کرنا پڑتی ہیں۔ ہم اپنی حد میں رہ کر فلاں فلاں خدمت قوم کی کریں گے۔ جو تارک موالات ہیں وہ مصیبتیں جھیلیں اور اس دشوار گزار راہ سے گزریں۔ ہماری دعائیں ان کے ساتھ ہیں۔ لیکن اگر "رخصت" چاہنے والے نہ "عزیمت" والے بنیں نہ اپنے آپ کو "رخصت" چاہنے والا سمجھیں۔ بلکہ "نفس امارہ" کا منہ بند کر کے اپنے آپ کو "نفس مطمئنہ" والا کہنے لگیں۔ حالانکہ ہوں "نفس امارہ" کے پنجے میں اور اپنے آپ کو صاحب "عزیمت" سمجھ کر حقیقی صاحبان "عزیمت" کو رخصت بھی نہ دیں تو ایسی جماعت کی شرکت خطرہ سے خالی نہیں اور اس کی دعوت، دعوت الی الخیر نہیں بلکہ دعوت الی الشر ہے۔ بھائی نیرنگ مجھ سے زیادہ میری کمزوریوں کو صرف خدا ہی جانتا ہے۔ میں نیکی کا دم نہیں بھرتا، پاکی کا دعویٰ نہیں کرتا لیکن یہ جانتا ہوں کہ ایمان کی حفاظت میں ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ جب کھڑا ہونے والا چلنے والے سے اچھا ہوتا ہے۔ اور بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے۔ میں اگر اپنے میں اتنی قوت نہیں دیکھتا کہ نیکی کی طرف لپکوں تو کم سے کم برائی کی طرف سرکنا بھی نہیں چاہتا۔ اور بہتر یہی ہے کہ جہاں ہوں وہیں کی زمین پکڑ کر بیٹھ جاؤں۔ جن صاحبوں کی فہرست بطور داعیوں کے آپ نے ارسال کی ہے ان کی دعوت مولانا ظفر علی خاں صاحب کی صدارت اور (معاف کرنا) پنجاب کا اس کانفرنس کی جائے وقوع قرار پانا یہ سب چیزیں مل کر ایک ایسا اجتماع پیدا کر دیتی ہیں جیسے پنجاب کے پانچوں دریا مل جائیں اور جہاں پایاب بھی ہوں وہاں بھی دھارا اس زور سے بہے کہ عبور کرنے والے کے پاؤں اکھڑ جائیں اور دریا کی رو کے ساتھ بہنے

کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آئے۔ اس دھارکی تیزی میں آج بہنا کل کے ڈوبنے کا پیش خیمہ ہے۔ میں آپ کو جانتا ہوں۔ آپ صحیح معنوں میں شاعر ہیں۔ آپ کے دل میں مذہب اور قوم کا عشق ہے۔ آپ کیوں ان "سوداگروں" کے ساتھ اس سیاسی مول تول میں شریک ہوتے ہیں۔ اگر آپ کو میں انہیں جیسا سمجھتا تو ہرگز یہ کچھ نہ لکھتا جو لکھ رہا ہوں ؛

ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی
کیں رہ کہ تو می روی بترکستانست

آپ دیکھتے ہیں کہ ایک طرف میں علماء سے دست و گریباں ہونے کے لیے تیار ہوں، لیکن دوسری طرف مصطفےٰ کمال پاشا اور عصمت پاشا کی الغائے خلافت اور (نا مذہبی حکومت SECULAR STATE) کا قائل نہیں۔ افراط و تفریط دونوں سے بچنا چاہتا ہوں۔ کنور عبدالوہاب خاں صاحب مجھ سے بھی زیادہ تیکھے جواں ہیں۔ میں شیخ ہوں گو رامپور افغاناں میں پیدائش اور عرصہ تک سکونت کے باعث کبھی کبھی "پٹھن ولی" پر اتر آتا ہوں لیکن پھر بھی شیخ ہوں۔ جب ذرا جوش کم ہوتا ہے اور عقل پھر ہدایت کرنے لگتی ہے تو مونچھیں نیچی کر لیتا ہوں۔ کنور صاحب اب تک راجپوت ہیں۔ ذہ زود خشم ہیں اور الد الخصام کو چھوڑ کر جھٹ بھیوں پر غصہ اتارنے لگتے ہیں۔ مگر ماشاء اللہ آپ جوشِ اسلامی کے ساتھ عقل کا بھی وافر حصہ رکھتے ہیں اور پھر خود شاعر ہیں۔ آپ قرآن پاک کی اس آیتِ کریمہ پر غور فرمایئے کہ وان تصبروا و تتقوا فان ذالک من عزم الامور۔ پھر غالب کے اس شعر پر غور کیجیے :

نفس نہ انجمن آرزو سے باہر کھینچ
اگر شراب نہیں انتظارِ ساغر کھینچ

کنور عبدالوہاب سمجھتے ہیں کہ میں ہندو سے مرعوب ہوں اور ان کی خوشامد کرتا ہوں حالانکہ مجھ ہی بدبخت کے یہ شعر ہیں ؛

فرشتوں نے کیا ہے ان کو سجدہ
نہیں اے بت یہ بندے تیرے بس کے

ہجو ہیر اور حاجب و درباں کی خوشامد کیا خوب
عرش و کرسی پہ گزر ہے ترے درباری کی

اب کی بار آئے تھے تو فرماتے تھے کہ جو کچھ تم کر رہے ہو اسلام کی محبت کی وجہ سے نہیں بلکہ انگریزوں سے بغض کی وجہ سے۔ خیر یہی سہی ؎ مرے بت خانہ میں تو کعبہ میں گاڑو برہمن کو۔ میری استواری کی ذرا بھی داد نہ دی۔ اور معتقد بھی ہوئے تو شہید ان امتحانی کے۔ کنور صاحب بھول گئے کہ اب بھی دفعہ ۱۲۴ الف کا وار دفعہ ۱۵۳ کے وار سے زیادہ سخت ہوتا ہے۔ اور زیادہ کثرت سے بالخصوص آج کل تو دفعہ ۱۵۳ الف کی سزا حکومت کا مقرب بارگاہ بناتا ہے نہ کہ زندانی۔ خیر اب یہ دکھڑا کہاں تک روؤں میں تو آج بھی اپنے کو اسی جگہ پاتا ہوں جہاں ۱۹۲۱ء میں تھا۔ ہنود میں غلامی ہم سے زیادہ سرایت کر گئی ہے اسی باعث وہ مالوی اور لاجپت رائے کے ساتھیوں میں پھر ہو گئے ہیں۔ اگر میں نے رائے بدلی ہے تو صرف اسی قدر جتنے کہ واقعات بدلے ہیں۔ یعنی ۱۹۲۱ء میں ہنود کو مہاتما گاندھی کی طرف مائل دیکھ کر یقین ہوا تھا کہ اس قوم کے دن پھرے ہیں۔ آج انہیں پھر بدبختی میں مبتلا پاتا ہوں لیکن انہیں کے قدم بقدم چل کر مولوی مالوی اور منشی لاجپت رائے یعنی انہیں دو ہندوؤں کی طرح کے مسلمان سرداروں کا اتباع کرنا نہیں چاہتا۔

نے پیر دی قیس نہ فرہاد کریں گے
ہم طرز جنوں اور ہی ایجاد کریں گے

آپ کو یاد ہوگا کہ آپ ہی نے مجھے یہ راستہ بھوالی میں بتایا تھا اور فرمایا تھا کہ لڑائی ہندو مسلمان کی نہیں ہے بلکہ مالویت اور گاندھیت کی ہے۔ میں گاندھیت کا ساتھ دے کر ہندوستان اور اسلام کی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔ ایک مسلمان کے لیے محض مالویت کی مخالفت کرنا اس کو ہنود میں تقویت پہنچانا ہے۔ اور اس میں نہ اسلام کی بہتری ہے نہ ہندوستان کی اور نہ خود ہندوؤں کی۔ ممکن ہے کہ آپ کا خیال ہو کہ مہاتما گاندھی سے خود بہت سی غلطیاں ہوئی ہیں۔ ایک حد تک میں اس خیال کی تائید کر سکتا ہوں لیکن گاندھی انسان ہیں فرشتے نہیں نہ خدا ہیں۔ ان کے اوپر ہنود کا اور بالخصوص ہنود پنجاب کا ایک عرصہ سے نرغہ رہا ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے خود آپ سے سال گذشتہ میں مسلمانوں کی BRIEF مانگی تھی۔ مگر جس جس سے اس چیز کے لیے کہا گیا اس نے سوائے ہندو اخباروں کے پلندوں کے جو میرے سر پر کھینچ کر مارے گئے مجھے مشکل ہی سے کوئی چیز بھیجی۔ جس کو میں پڑھ کر مہاتما جی کے سامنے مسلمانوں کا کیس پیش کر سکتا یا جس کو مہاتما جی کو دے سکتا۔ ہم میں جوش زیادہ ہے مگر کام کا طریقہ ہم نہیں جانتے ہیں۔ بہر حال جو کچھ بھی مہاتما جی نے مسلمانوں کے متعلق سنا ہے وہ زیادہ تر مجھی سے یا میرے ہی معرفت

سنا ہے۔ اگر مسلمانوں کی بے صبری، اشتعال پذیری اور پھر صحیح طریقۂ کار سے ناواقفیت کے باعث مہاتما گاندھی کے دل پر جو ہندو ہیں اور جن پر ہندو رسم و رواج اور طریق بود و ماند کا پیدائش سے لیکر اس وقت تک بہت کچھ اثر پڑا ہے، اثر ہوا اور انہوں نے مسلمانوں کے متعلق ایک حد تک غلط فیصلہ کیا۔ تو زیادہ تعجب کی بات نہیں۔ ان کے خیالات کی اصلاح کرنا اب بھی ہمارا فرض ہے لیکن اس کے لیے وہ سوفیانہ طریقہ ہرگز مفید نہیں ہو سکتا جس کو حضرت مولانا ظفر الملت والدین ظفر علی خاں صاحب نے اختیار کیا ہے۔ بھائی نیرنگ صاحب افسوس ہے کہ مسلمان پھر اسی طریقہ پر چلنے لگے ہیں جو ابتداءً انہوں نے اختیار کیا تھا۔

جاتا ہوں تھوڑی دور ہر اک راہرو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہ بر کو میں!

مجھے معاف کیجیے یہ خط بہت طویل ہوگیا اور جیسا کہ دنیا کا کتا میں ہوں اسی طرح کا یہ میرا خط ہوگیا۔ اس میں رشک ہے۔ حسد ہے، غیبت ہے، اپنی تعلی ہے، خودستائی ہے۔ لیکن کیا کروں جیسا میں ہوں ویسا ہی اپنے آپ کو ظاہر کرتا ہوں۔ ایک فاسق و فاجر ہوں اس سے زیادہ کیا کر سکتا ہوں کہ جو کچھ میرے دل میں ہے میں اس کو ظاہر کردوں۔ کم سے کم ایک جرم کا ارتکاب تو اب تک نہیں کیا ہے۔ یعنی تقدس کا دعویٰ نہیں کرتا اور سجدہ ریائی سے زمین کو بھی گندہ اور ناپاک نہیں کرتا۔

جو کچھ میرے دل میں تھا وہ سب کہہ گزرا۔ اب اس سے زیادہ کیا لکھوں۔ اگر ایسا شخص آپ کے کسی کام کا ہو تو حاضر ہوں۔ ورنہ معذور ہوں۔"

افکارِ غزالی

مصنفہ محمد حنیف ندوی

امام غزالی کے شاہکار "احیاء العلوم" کی تلخیص اور ان کے افکار پر سیر حاصل تبصرہ۔ غزالی کا مطالعہ کرنے والوں کے لیے یہ کتاب نہایت مفید ہے۔ قیمت آٹھ روپے آٹھ آنے

ملنے کا پتہ: سیکریٹری ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور